کہ اسی وقت کوئی چھ فٹا نوجوان کہیں سے آجائے پھر آفتاب کو قتل کر کے وہ اس کی زیبا کے ساتھ فرار ہو۔۔۔۔اسے سندھوری میز پوش ان پر سجے ہوئے بھاری بھاری کاسنی برتن پیسٹری سینڈ ایش ٹرے تتر بتر ہوں۔۔۔کاریں سفید کشمیری لڑکیوں کو پیک کر کے موٹی فربہ عورتوں کو بھگا کر نکل جائیں۔

نیلے سوئمنگ ٹینک میں تیرنے والی امریکی اور جرمن لڑکیاں چیخیں مار کر اوپر والے

کمروں کو دوڑیں اور آفتاب کی لاش، کمکواب کی شیروانی اور تلے کی جوتی سمیت سوئمنگ ٹینک پر تیرتی رہے۔ہوٹل کا عملہ پولیس کے آنے تک اندر چھپا رہے اور چودھویں رات کا چاند کے علاوہ اس لاش کو دیکھنے والا کوئی نہ ہو۔۔۔پھر مین وائی ڈبلو پہنچوں اور سیمی کو بتاؤں کہ زیبا کے سابق عاشق نے آفتاب کو قتل کر دیا اور دولہن کے ساتھ فرار ہو گیا سیمی نڈھال ہو کر میرے سینے سے آ لگے۔

پچھلے باب کا اختتام ہو۔۔۔اور آہستی آہستی دھیرے دھیرے جب سیمی دوبارہ زندہ ہو تو اس کی ہر خوشی ہر غم مجھ سے وابستہ ہو جائے!

خواب جب اس قدر فاسد قسم کے ہوں تو ان کے دیکھنے والے عموماً خوش نہیں رہ سکتے۔

اس لیے عین وقت پر نکاح ہوا۔

تمام مہمان گو مغربی تہذیب میں سنے ہوئے تھے۔لیکن انہوں نے شوق سے نکاح کے چھوہارے کھائے۔۔۔پھر منڈپ میں دولہا دولہن ایک ساتھ بیٹھے پریس فوٹو گرافر کے علاوہ امجد نے بھی تصویر کھینچیں۔سلامیاں دی گئیں۔۔۔۔سب کچھ ٹھیک ٹھاک ہوتا رہا۔پتہ نہیں کیوں آفتاب کی شادی مجھے ٹیلی ویژن کا فلور شو لگ رہا تھا۔مجھے شبہ تھا کہ ابھی یہ سارا سیٹ ایکٹرا ایکٹرسوں سمیت اپنے اپنے گھر چلا جائے گا پھر نہ کوئی شادی ہوئی ہو گی نہ کوئی دعوت۔

لیکن منڈپ میں دولہن بیٹھی تھی۔۔۔نتھ کے نیچے ہونٹ پوتلیے وہ مسکراہٹیں دبانے کی کوشش کررہی تھی۔اس کے پاس آفتاب دونوں نتھنوں سے ہنس رہا تھا اس کی کسی حرکتسے تاسف،غم یاملیامیٹ ہونے والی کسی کیفیت کاسراغ نہیں ملتا تھا۔میں سیمی کواس غنڈے آفتاب کی شکل کیسے دکھاتا؟ کاش اس وقتمیرے پاس بھی کوئی پولو رائیڈ کیمرہ ہوتا تو میں بھی آدھ گھنٹہ میں اس کی تصویریں بنالیتا پھر شاید سیمی یقین کرتی کہ۔۔۔جوکچھ ہوناتھاہوچکا!

میں چونکہ افتابکاروم میٹ۔اس لیے اس سے بہت بعد میں ملا۔بیرے چائے کے برتن اٹھانے میں مصروف تھے کچھ اہم مہمان جانا چاہتے تھے آفتاب کی بھربھر کم ماں انہیں مسکراہٹوں کے ساتھ رخصت کررہی تھی۔اب بھی جوانلوکیاں بجلیاں گرانے کے لیے بالیاں،بالیاں اور چوڑیاں درست کیے کارہی تھیں مرد بظاہر سیاست پرگفتگوکرتے ہوئے ان ہی زہرہ جبینوں کوتحسین بھری نظروں سے خراج ادا کررہے تھے۔

میں نے زیباکے ہونٹوں کاتل دیکھ لیاتھااور باقی شادی میں میرے لیے اب کوئی نظرفریب بات نہ تھی پھرامتحان کاخیال بھی تھا۔میں کھسک جانے کاراستہ بھانپنے میں مشغول تھا۔جب آفتاب میرے پاس آکربیٹھ گیا۔

واقعی آفتاب میں وہ سب کچھ تھاجس کی آرزولڑکیاں کرتی ہیں۔

''کڑکی کوئی نہیں آئی۔۔۔''آفتاب نے کہا۔

پتہ نہیں وہ کس لڑکی کے بارے میں پوچھناچاہتاتھا؟

''لڑکیاں یارپڑھاکوہوتی ہیں،وہ کیوں اپناٹائم ویسٹ کریں گی۔''

''باقی سب کاکیاحال ہے؟''

باقی سب خدانے اس کاکیامطلب تھا؟

''خوب پڑھائیاں ہورہی ہیں۔۔۔''اس نے سوال کیا۔

''کہاں یار۔۔۔۔؟ پتہ نہیں سبجکٹ واہیات ہے کہ ہم لوگ بیہودہ ہیں۔''

کچھ دیر خاموشی رہی۔۔۔۔پتہ نہیں میں کیوں محسوس کیا کہ آج وہ مجھ سے فروعی باتیں نہیں کرنا چاہتا۔

''سیمی آئی ہے۔۔۔۔'' پتہ نہیں میں نے کیوں کہا۔

''کہاں۔۔۔۔؟ یکدم اس نے سارے میں نظر دوڑائی۔''

''یہاں نہیں آئی۔۔۔۔ویسے آئی ہوئی ہے۔''

آفتاب جیسے مایوس ہوگیا۔

''اچھا۔۔۔۔کب؟۔۔۔۔''

''کل شام۔''

''کچھ دن رہے گی۔''

''صرف ویک اینڈ۔۔۔۔''

آفتاب کا رنگ پھیکا پڑ گیا اس کا سارا دولہا پن، خوبصورتی، مسکراہٹ رخصت ہوگئی۔۔۔۔سیمی کا ذکر نے یکدم ہمیں اس قدر قریب کر دیا جیسے ہم ہمیشہ کے دوست تھے، روم میٹ نہیں تھے۔آفتاب کے چہرے سے لگتا تھا جیسے ہم ہمیشہ کے دوست تھے روم میٹ نہیں تھے۔آفتاب کے چہرے سے لگتا تھا جیسے وہ ٹیپ ریکارڈ کی طرح بولنا چاہتا ہے لگاتار۔۔۔۔انتھک گول گول چکروں میں۔۔۔۔کبھی ٹون گرا کر کبھی Volume بڑھا کر۔۔۔۔ایسے خاموش لڑکے سے اتنی باتوں کی مجھے امید نہ تھی۔

''عجیب بونگی لڑکی ہے وہ حالات سے، اپنے آپ سے، کسی دوسرے سے سمجھوتہ کرنے والی نہیں۔''

سپرنگ بورڈ پر ایک امریکی لڑکی چڑھی اس نے ہوا میں سمر سالٹ لگایا اور سرخ لباس غسل سمیت پانی تلے غائب ہوگئی۔۔۔۔اس لڑکی اور سیمی میں بلا کی مشابہت تھی

میں نے سانس روک لی اور آرزو کی کہ جلدی سے وہ پانی کی سطح پر واپس نکل آئے۔

آفتاب نے منڈپ کی طرف دیکھا۔ دولہن میں اب عمومی دلچسپی کم ہو چکی تھی اور اسے اسی کے گھر والی عورتیں سہیلیاں اور چھوٹی بچیوں نے گھرے میں لیے بیٹھی تھیں۔ شاید آفتاب کو زیبا سے بھی محبت تھی۔

''سیمی کبھی سمجھ نہیں سکتی ۔۔۔وہ بہت زیادہ زندہ ہے۔۔۔۔۔محبت کرتی ہے جی جان سے۔۔۔ زندگی حساب کا سوال نہیں ہے لیکن وہ اسے کسی فارمولے سے حل کرنا چاہتی ہے۔۔۔۔'' نمبر ایک نمبر دو۔۔۔۔۔تین والا بے تکان بول رہا تھا۔۔۔۔

''سب کا اپنا اپنا طریہ ہے آفتاب۔۔۔۔ہم کسی پر اپنا طریقہ ٹھونس نہیں سکتے۔''

اس نے گلے سے تمام ہار اتارے کر سامنے میز پر رکھ دیے اور پھر ٹنڈ منڈ ہو کر کرسی سے پشت لگا دی۔ آفتاب کم گو تھا۔۔۔۔وہ صرف امجد کے ساتھ سیمی کے ٹاپک پر باتیں کر سکتا تھا۔ لیکن اس وقت پتہ نہیں کیوں وہ کیوں وہ اس قدر بھر کم باتیں کرنے لگ

''زندگی سے موت تک کئی راستے ہیں جس راستے پر بھی پڑ جاؤ قیوم اس کی کچھ راحتیں ہوتی ہیں۔ اس میں کچھ تکلیفیں پیش اتی ہیں کچھ اس راہ پر چلنے کے کے تغمے ہوتے ہیں کچھ قیمتیں ادا کرنی پڑتی ہیں دراصل کوئی راہ اختیار کر لو۔۔۔۔کسی راستے پر پڑ جاؤ وقفہ اتنا لمبا ہے کہ مسافروں کا سانس اکھڑے ہی اکھڑے۔۔۔۔''

کیا آفتاب ہمیشہ سے ایسا تھا؟

یا کسی واقعہ نے اس کی طبعیت کو بدل دیا تھا۔۔۔۔مجھے وہ دن یاد آ گیا۔ جب پہلی بار ہم سب نے اپنا اپنا تعارف پروفیسر سہیل کی کلاسمیں کرایا تھا۔ اس روز آفتاب کس قدر مودس، کنوارا اور خوبصورت نظر آتا تھا۔

وہ بولے گیا۔۔۔۔''دیکھو ناں قیوم جب مسافر کا دم اکھڑتا ہے تو پہلی سوچ

اس کی یہ ہوتی ہے کہ۔۔۔۔ کہ مسافت میں تھکا دینے والا بنیادی نقص اس کی پسند کا تھا اگر اس نے کسی دوسری راہ کر پسند کیا ہوتا تو شاید راستہ آسانی سے کٹتا۔۔۔۔"

"کبھی کبھی درست انتخاب راستے کی طوالت کو کم کر دیتا ہے" میں نے کہا۔

"غلط میرے بھائی غلط۔۔۔۔ جھوٹ بکواس! کسی راہ پر چلے جاؤ۔۔۔۔ کم وقت نہیں لگے گا۔۔۔۔ اسی لیے تو کوئی پسند کی راہ درست نہیں ہوتی بالآخر۔۔۔۔"

یہ باتیں ایک دولہا کے منہ سے اچھی نہیں لگتیں۔ دولہا تو شرماتا پان چباتا اور مسکراتا ہی پیارا لگتا ہے۔

"فرض کرو ایک راستہ ہے پتھریلا، آسمان پر سورج خط استوا جیسا۔۔۔۔ اس راستے پر چلنے والا ضرور سوچے گا کہ لوگ کتنے خوش نصیب ہیں جو تاکستانوں کی چھاؤں میں انگوروں کے گوشے کھاتے چل رہے ہیں اگر تاکستان والی راہ پر نکلو تو وہاں کے چلنے والے بتائیں گے کہ ہر خوشے میں کالی وردیوں والے کالی بلی بریے ہیں شہد کی مکھیاں ہیں۔ اس کے جسم پر ہر جگہ بھڑوں کا کاٹے کیسو جن ہے۔۔ ۔۔ پھر یہ تاکستانوں میں چلنے والا سوچتا ہے کہ وہ شخص جو لکڑی کا پھٹہ ڈالے بن پتوار اترائی کے رخ پانی کے بہاؤ کے ساتھ ساتھ جا رہا ہے خوشنصیب ہے اس کی راہ آسان ہے، بن پتوارے سے پوچھو تو وہ کہتا ہے۔۔۔ خبردار یہاں کی مچھلیاں آدم خور ہیں۔۔۔۔ سنسار منہ کھولے پڑے ہیں، اور ڈھلوان پر جانے والے پانی میں ازخود بھنور پڑتے ہیں"

"اگر ہر راہ پر خطر ہے۔۔۔۔ تو پھر پسند کیسی۔۔۔۔ یہ پسند کا شوشہ چھوڑ کر تو فطرت نے انسان کو احمق بنایا ہے۔"

"اور یہی جیسے احمق اپنی Choice پر ڈٹے رہیں گے کیونکہ ان کا خیال ہے کہ راہ کے انتخاب سے وہ زندگی کی راحتوں میں اضافہ کر سکتے ہیں حالانکہ وہ صرف ادل بدل سکتے ہیں راحتوں کو۔۔۔۔ اضافہ نہیں کر سکتے نہ غم میں نہ خوشی میں۔"

''یہ تم آج کیسی باتیں کر رہے ہو آفتاب''

''میں نے کبھی اپنی پسند سے زندگی نہیں گزاری اور بڑی اسودگی میں وقت گزارا ہے مجھے دولت، محبت، آسودگی ظمانیت سن اتفاقات ملی۔۔۔۔۔یہی۔۔۔۔یہی بات اسے سمجھ نہیں آئی میں اگر پسند کو زندگی میں شامل کرلوں تو بڑی مشکلات پیدا کر لیتا اپنے لیے۔۔۔دوسروں کے لیے۔''

یہ شخص یا تو انتہا کا خودغرض تھا یا بلا کا بے غرض۔۔۔۔۔میں اندازہ لگا سکا۔

''تمہارا کیا خیال ہے؟ لوگ اہم فیصلے کیسے کرتے ہیں۔ساری زندگی کے تمام فیصلے پسند ناپسند کے راستے یہ کیسے ہوتے ہیں اگر نتیجہ نہیں نکلتا تو فیصلے ہوتے کیوں ہیں آخر۔نیچر ہمارا وقت ضائع کرنا چاہتی ہے ہمیں بے وقوف بنانا اس کی منشا ہے؟'' میں نے پوچھا

آفتاب اب مجھے مکمل طور پر پروفیسر کی کاپی لگ رہا تھا۔اس نوجوان سے میری کوئی واقفیت نہ تھی۔

''دیکھو فیصلے ہم میں شروع ڈال دیے جاتے ہیں چوری چوری ہماری مرضی پوچھے بنا۔ ہر انسان کے اندر ایک خمیر ہوتا ہے سرسوں کے بیج میں یہ فیصلہ ہوتا ہے اس کا زرد رنگ ہوگا تربوز کا ٹوتو اس کا ہر بیج یہ فیصلہ ہوتا ہے کہ اس سے جنم لینے والا تربوز سرخ ہوگا۔۔۔۔دیکھو قیوم نہ تربوز اپنی خوشی سے سرخ ہوتا ہے نہ چنبیلی اپنی مرضی سے خوشبو دار۔۔۔۔سب کا بیج کا خمیر ہے جو آدمی چور بناتا ہے اس کے وجود کو غارت گری کا خمیر لگا ہوتا ہے کہیں۔۔۔۔نیک سازگار ماحول میں شاید ساری عمر اس کی یہ خوبی نہ کھلے لیکن جس کے اندر غارت گری کا خمیر نہیں ہوگا۔۔۔۔وہ ناسازگار ماحول میں بھی کچھ نہیں کر پائے گا۔۔۔۔کبھی چور نہیں بن سکے گا۔۔۔۔یار میرے سیدھی بات ہے سیب کو تم بھی گرتا دیکھتے ہو نیوٹن نے بھی دیکھا تھا تم کشش ثقل ایجاد نہیں کر سکے۔کیونکہ تمہارے بیج میں وہ راستہ نہیں تھا جو ایک سائنسدان کا

ہوتا ہے'' میں ۔۔۔ پروفیسر سہیل کی کمپنی میں اگر نہ رہتا تو شاید یہ باتیں مجھے سمجھ نہ آتیں اور ۔۔۔ شاید میں اپنی پسند کی زندگی بسر کرنا چاہتا ۔۔۔ لیکن اب میں سمجھ گیا ہوں۔

کیا واقعی وہ سمجھ گیا تھا۔؟

کیا سیمی سے بچھڑ کر وہ ایسی باتیں کرنے پر مجبور تھا۔

کیا پروفیسر سہیل کی باتوں کا اثر تھا۔

کیا وہ ہمیشہ سے خاموشی کے غلاف تلے ایسی ہی باتیں سوچتا تھا۔

''اب میں احتجاج کرنے کے خلاف ہوں تہلکہ مچانے والے صرف اپنا نقصان ہی نہیں کرتے سب کو برباد کرتے ہیں سارے ماحول کو ۔۔۔ سیمی سمجھتی ہے کہ وہ اپنے رویے سے اپنی سوچ سے اپنی پسند سے خوشی اور غم لانے کی ضامن ہے ۔۔۔ وہ تو ایسی ضدی ہے کہ اپنی آرزو کے سامنے اللہ کی ساری کائنات توڑ پھوڑ سکتی ہے۔''

''میں بھی ایسے ہی سمجھتا ہوں۔

''بیکار ہے فضول ہے ۔۔۔ میں جانتا ہوں وہ خود ٹوٹ جائے گی اچانک۔''

''تمہیں سیمی سے محبت ہے؟''

وہ بڑی دیر خاموش رہا۔

''آفتاب ۔۔۔ میں نے ایک سوال کیا ہے تم سے۔''

''محبت ہونے نہ ہونے سے میرا راستہ نہیں بدل سکتا۔''

''کیوں؟''

''سیمی سمجھتی ہے میں نے اس سلسلے میں کچھ سوچا نہیں ۔۔۔۔ بہت سوچا ہے میں نے قیوم بہت زیادہ ۔۔۔ سیمی کے ساتھ بھی زندگی میں کچھ راحتیں ہوتیں کچھ غم ہوتے ۔۔۔ زیبا کے ساتھ رہنے میں کچھ راحتیں ہوں گی غم ملیں گے ۔۔۔

زندگی کسی کے ساتھ گزارلو قیوم آخر میزان برابر رہتا ہے۔"

"ایسی منفی سوچ کی وجہ سے تم نے اس کی زندگی تباہ کردی۔"

"اگر میں اس کی زندگی تباہ نہ کرتا۔۔۔۔تو کچھ اور لوگوں کی زندگی تباہ کر دیتا یہ فیصلہ بھی مہیں پہلے سے میرے اندر ہو چکا ہے۔"

"تمہیں یہ فیصلہ سیمی سے محبت کرنے سے پہلے کرنا چاہیے تھا۔"

"میں نے کبھی کوئی فیصلہ نہیں کیا۔۔۔کیونکہ ہر فیصلہ میرے بیج میں پہلے سے موجود تھا اور اس بیج کے فیصلے سے مڑا نہیں جا سکتا۔باقی تمام فیصلے اس پہلے فیصلے میں موجود ہوتے ہیں قیوم۔"

"مجھے خدا کے لیے بتاؤ تمہیں سیمی سے محبت ہے کہ نہیں۔"

اس نے ادھر ادھر نظر دوڑائی۔۔۔۔چند ثانیے اپنی نو بیاہتا کو دیکھا اور بولا۔

"محبت چھلاوہ ہے قیوم۔۔۔۔اس کی اصل حقیقت بڑی مشکل سے سمجھ آتی ہے۔کچھ لوگ جو آپ سے اظہار محبت کرتے ہیں اتصال جسم کے خواہاں ہوتے ہیں۔کچھ آپ کی روح کے لیے تڑپتے ہیں کسی کسی کے جذبات پر آپ خود حاوی ہو جانا چاہتے ہیں۔کچھ کو سمجھ سوچ ادراک کی سمتوں پر چھا جانے کا شوق ہوتا ہے۔۔۔محبت چھلاوہ ہے لاکھ روپے بدلتی ہے۔۔۔۔اسی لیے لاکھ چاہو ایک آدمی آپ کی تمام ضروریات پوری کردے یہ ممکن نہیں۔۔۔۔اور بالفرض کوئی آپ کی ہر سمت ہر جہت کے خلاء کو پورا بھی کردے رو اس بات کی کیا گارنٹی ہے کہ آپ بھی اس کی ہر ضرورت کو ہر جگہ ہو موسم میں ہر عہد میں پورا کر سکیں گے۔۔۔۔انسان جامد نہیں ہے بڑھنے والا ہے اوپر دائیں بائیں۔۔۔۔اس کی ضروریات کو تم پابند نہیں کر سکتے۔۔۔لیکن سیمی بڑی ضدی ہے۔۔۔بہت زیادہ۔۔۔۔وہ محبت کو کسی جامد لمحے میں بند کرنا چاہتی ہے۔"

شاید آفتاب اور میں ابھی اور کچھ دیر باتیں کرتے رہتے لیکن اس وقت امجد اور

جمال آ گئے وہ بہت خوش نظر آ رہے تھے۔

امجد نے آتے ہی آفتاب کے کندھے پر ہاتھ مارا۔

''کیا رازو ینا ہو رہے ہیں''

لیکن آفتاب ابھی جواب دینے نہ پایا تھا کہ جمال بولا ''یار ادھر چلو شالیمار میں اتنی پیاری پوپٹیں بیٹھی ہیں۔۔۔۔خدا قسم ذرا ہائے ادئی کرنے والی نہیں بڑے آرام سے تبادلی خیالات کرتی ہیں۔''

''ہاں سچ یار بڑی ڈیسنیٹ لڑکیاں ہیں۔ایسے آرام سے باتیں کرنے لگیں ہم سے چلو۔''امجد بولا۔

''چونکہ تم سے باتیں کرنے لگیں اس لیے ڈیسینٹ ہوئیں۔۔۔۔''آفتاب نے مسکرا کر پوچھا۔

امجد نے آنکھ مار کر کہا۔۔۔۔''سچی یار ہمیں تو وہی ڈیسینٹ جو خوامخواہ ہمیں، یہ احساس نہ دلائیں کہ ہم کوئی خاص قسم کے غنڈے ہیں جو ان کی عصمت دری کیے بغیر دم نہ لیں گے۔۔۔۔اندر سے چاہے ویسے ہی ہوں لیکن احساس نہ دلائے تب لڑکی ڈیسینٹ ہوتی ہے اٹھو قیوم۔۔۔۔۔اٹھو۔۔۔۔۔''

آفتاب نے مسکرا کر کہا۔۔۔۔۔''جاؤ بھائی۔۔۔۔۔ہم تو تنہی ہو گئے۔''

''اس کے ساتھ۔۔۔۔''جمال نے میری طرف اشارہ کر کے پوچھا۔

''نہیں اس کے ساتھ

ابرو کے اشارے سے آفتاب نے زیبا کی طرف اشارہ کیا۔۔۔۔جمال اور امجد نے بڑے نرت کاروں کی طرح کمریں لچکاتے کرسیوں میں بیٹھی ہوئی جنس مخالف کو ایس کیوزمی کرتے ہوئے اندر کی طرف چلے گئے۔

اس وقت پانی کی تہہ سے سرخ لباس غسل والی امریکن لڑکی نے سر نکالا اور ڈولفن کی طرح سر اٹھا کر جھٹکا۔۔۔۔لڑکی نیلی آنکھوں پر پانی کی تہہ میں تیرنے کی وجہ

سے ہلکی سی سرخی چھا گئی تھی۔۔۔آفتاب نے سامنے پڑے ہوئے گل دان میں سے ایک گیندے کا پھول توڑا اور اس کی طرف پھینکا۔لڑکی ایک انجانے راستے پر یوں تعریف ملتے دیکھ کر معصومیت اور خوشی سے مسکرائی پھر اس نے پھول کو فاختہ کی طرح منہ میں اٹھایا اور پانی کی تہہ میں چلی گئی۔

آفتاب میں وہ سب کچھ تھا جس سے لڑکیاں محبت کیا کرتی ہیں۔

ہوٹل سے نکل کر مجھے سارا راستہ کالج کی تعارفی کلاس یاد آتی رہی پتہ نہیں کیوں ساری

شام آفتاب کی باتوں سے پروفیسر سہیل کی خوشبو آتی رہی تھی جیسے میں آفتاب سے نہیں پروفیسر سہیل سے مل کر آرہا تھا۔

جمال اور امجد سے بہت پہلے میں شادی سے لوٹ آیا۔

رات کے پہلے پہر ہوسٹل بالکل اجاڑ تھا کمروں میں سے پنکھوں کی آوازیں آ رہی تھیں اور سڑک پر چلنے والے ٹریفک کی دبی دبی سی آواز ایک مسلسل سرگوشی تھی میں ہوسٹل کی

زندگی سے مطمئن نہ تھا۔اپنے کمرے میں پہنچ کر میں نے پھر دل ہی دل میں فیصلہ کیا کہ ان قلیل چھٹیوں میں مجھے کیسے پڑھائی کرنی چاہیئے کیا میں بھائی کے پاس شاندہ چلا جاؤں کیا قصور میں دلجمعی سے پڑھائی ہوسکتی ہے یا پھر مجھے نیا ٹائم ٹیبل بنا کر یہیں ہوسٹل میں رہنا چاہیئے؟

ہوسٹل کی ایک بڑی مشکل یہ ہوتی ہے کہ پڑھنے والے لڑکوں کی عادتیں اور پڑھائی کے اوقات ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہوتے ہیں کچھ نوجوان ساری رات سادھی لگا کر پڑھتے ہیں اور صبح نیند کی گولیاں کھا کر مگرمچھ کی طرح بے سدھ لیٹ جاتے ہیں کچھ خائف رہتے ہیں اپنے حافظے کے ہاتھوں۔ان کو زیادہ پڑھنے

کے بعد نروس ہو کر دوسروں کے پاس اکلاتی جرائت۔ اعادہ سبق اور خوف کا علاج کرنے جانا پڑتا ہے ان کے علاوہ ایک جماعت خودغرضوں کی بھی ہوتی ہے وہ کوٹا بھر پڑھائی کر کے دوسروں کے پاس خوش گپی کے لیے اس وقت جاتے ہیں جب ابھی دوسرا بے چارہ پڑھائی کا سٹارٹ ہی لے رہا ہوتا ہے میں دن میں کئی مرتبہ پڑھائی کی کلی دبانے کی غرض سے جھوٹے سٹارٹ لیتا اور ہر بار کوئی نہ کوئی ہوسٹل کا باسی بریک لگانے پر مجبور کر دیتا۔ جمال کی عادت تھی کہ شہزادہ سات گھنٹے پڑھنے کے بعد حالیہ حالات پاکستان اور پاکستان کو ترقی یافتہ ملکوں کی صف میں لانے کے پروگرام بڑی تفصیل سے زیر بحث لا کر دو ڈھائی گھنٹے میرے پاس صرف کرتا۔

''بیٹھ جاؤ جمال۔۔۔۔''میں کرسی پیش کرتا۔

''میں بس جا رہا ہو۔۔۔۔۔''وہ کھڑا رہتا اور بولتا چلا جاتا۔

''ناں بھائی۔۔۔۔تمہارا بھی ٹائم ویسٹ ہو گا۔۔۔۔میرا ابھی۔۔۔۔بیٹھنا ویٹھنا نہیں ہے۔''

میں اس کے سامنے کئی بار گھڑی دیکھتا۔ کئی پنسلیں گھڑ کر رکھ لی جاتیں۔ پن دھوئے جاتے۔ ان کی سیاہی بدلی جاتی کاغذوں کے نوٹ بنانے کے لیے پن لگاتا۔۔۔۔جن

کتابوں سے مختلف Topics پر Refrence ملنے کی امید ہوتی۔ ان کتابوں میں جا بجا کاغذ کی پرچیاں رکھ کر ان کو اینٹوں کے چھٹے کی طرح جما کر رکھتا۔۔۔۔ میرے مشاغل نے کبھی جمال کو پریشان نہیں کیا۔ وہ سٹیل مل لگانے سے لے کر دہی بلونے والی چھوٹی رئی تک ان گنت فیکٹریاں پاکستان کے مختلف شہروں میں لگاتا رہتا۔ اس کی گفتگو سے سارا پاکستان کالا شاہ کاکو بن جاتا اور فضا میں سے بدبودار شیرے، ایران ارٹینٹری کے خام چمڑے کی بو آنے لگتی۔۔۔۔۔

جمال کے جانے کے بعد فضا میں فیکٹریوں کا دھواں اس قدر پھیلا ہوتا کہ میں

سانس برابر کرنے کے لیے تھوڑی دیر کے لیے باہر چلا جاتا۔ واپسی پر پڑھائی کے سٹارٹ میں کئی اوگھٹ گھاٹیاں آتیں ان کو پار کرنے کے بعد ابھی میں نے سپیڈ ہی پکڑی ہوتی کہ امجد آ جاتا۔۔۔۔ امجد ہنگامی آدمی تھا وہ صرف پندرہ منٹ ٹھہرتا۔۔۔ لیکن اس کے ضمیمے کے بعد توجہ کتاب کی سکرین پر ٹھہر ہی نہ سکتی تھی۔

جس وقت میں آفتاب کی شادی سے لوٹا۔ میرا ارادہ شہر سے بھاگ جانے کا تھا جو کچھ آفتیں اوپر بیان کر چکا ہوں۔ ان کی سردار مصیبت سیمی تھی۔ آفتاب کی شادی نے پتہ نہیں کیوں دل میں سیمی کی محبت پا لینے کے خواب کو از سر نو ہوا دے رکھی تھی۔ ساتھ ہی ساتھ کوئی ایسا خوف بھی تھا جو میٹرنوم پر بتا رہا تھا کہ اب بیٹا تم پاس ہی نہ ہو سکو گے اس لیے اس میں عافیت ہے کہ شہر، ہوسٹل۔ کالج چھوڑ کر کسی چھوٹے سے گاؤں میں بھاگ جاؤ، وہاں مقامی نمبردار سے دوستی لگا کر ایک چھوٹا سا سکول کھولو اور باقی ماندہ زندگی ان بچوں کو پڑھاؤ جو پڑھنے کے لیے پیدا ہی نہیں ہوئے۔

بالآخر میں نے پھر ایک جھوٹا سٹارٹ لیا۔ اپنی چارپائی سے بستر رول کر کے سرہانے کی جانب رکھا اور سوشیالوجی کے دوسرے پرچے کی تیاری کرنے لگا۔

اس وقت دروازے پر کسی نے انگوٹھی کے ساتھ دستک دی۔

دروازہ کھولا تو سیمی کھڑی تھی۔ اس کا چہرہ مجھے بانس پر ٹنگا ہوا نظر آیا۔

''آ جاؤں۔۔۔۔۔ کہ نہیں۔''

''اس وقت تمہیں اجازت کیسے ملی اندر آنے کی؟''

''بس مل گئی آ جاؤں؟''

وہ چارپائی پر جوتے اتار کر بیٹھ گئی۔ اس سے پہلے میں نے کبھی کٹے ہوئے بالوں والی کسی لڑکی کو فلیپر پہن کر الانی چارپائی پر ننگے پاؤں بیٹھتے نہیں دیکھا تھا۔ اس نے رول کیے ہوئے بستر پر اپنی کہنی جمائی اور نظریں جھکا کر پوچھا۔

''تو ہو گئی شادی؟''

شاید وہ مجھ سے نفی میں جواب کی آرزومند تھی۔

''ہاں۔۔۔۔۔ہوگئی۔۔۔۔''

بڑی دیر تک وہ سر ہلاتی رہی۔

پھر جیسے اس نے اپنے آپ کو قابو پالیا۔ وہ بڑے سادی گھریلو انداز میں باتیں کرنے لگی۔

''بہت مہمان تھے۔۔۔۔ہے نا۔۔۔''

''نہیں زیادہ نہیں تھے۔۔۔۔۔یہی کوئی تین سو کے قریب۔۔۔۔''

''جمال اور امجد بھی گئے ہوں گے۔۔۔۔''جیسے وہ شادی پر ہمارے ساتھ ہی تھی

''ہاں۔۔۔۔''

''اور۔۔۔۔؟ اور فرزانہ کوثر وغیرہ۔۔۔۔''

''وہ پڑھ رہی ہوں گی اس وقت۔۔۔ان کمبختوں نے فسٹ ڈویژن لینی ہے ہماری طرح کوئی اپنا آگا تھوڑا مارنا ہے۔''

''ہاں۔۔۔۔سمجھ دار ہیں وہ چاروں۔۔۔۔کاش خدا ہمیں بھی عقل دیتا! انجیلا بھی نہیں آئی۔۔۔۔؟''

وہ چپ ہوگئی

اس وقت ایک بار امید نے مجھے بڑے بھرپور قسم کے سبز باغ دکھائے دراصل ہر شخص کو اپنے ملک کی لوک کہانیاں پر اندر ہی اندر بڑا اعتبار ہوتا ہے وہ بہت سمجھدار ہونے کے باوجود کبھی ان کہانیوں کے چنگل سے نکل نہیں سکتا۔ ملک کی مجموعی سائیکی ان ہی کہانیوں میں ہوتی ہے۔ اور میں بھی ان ہی کہانیوں کا ایک حصہ تھا۔ اس وقت مجھے یقین تھا کہ چونکہ ویلن کی شادی ہوگئی ہے اس لیے نیچرل نتیجہ یہی ہے کہ اب سیمی پوری قوت سے مجھ پر عاشق ہو جائے گی۔ راستے کی چٹان کٹتے ہی

اسے میرے سوائے اور کچھ نظر نہیں آنا چاہیئے۔ لیکن سیمی کچھ شوقیہ گلابی گلاسز نہیں پہنتی تھی۔ واقعی اس کی بصیرت کمزور تھی اسے آفتاب کے بعد کوئی شخص نظر نہ آیا۔

''انتظام کیسا تھا؟۔۔۔۔۔'' اور میں نے یونہی پوچھا۔

دراصل وہ کچھ اور پوچھنا چاہتی تھی اور میں کچھ بھی بتانا نہیں چاہتا تھا۔

میں اس سے وہ باتیں کیوں کرتا جو تالاب کنارے آفتاب نے مجھ سے کی تھیں شاید میرے بیان کے ردوبدل سے وہ ان باتوں کو آفتاب کی محبت پر محمور کرتی۔

بڑی دیر بعد میں نے جواب دیا۔۔۔۔۔ ''اچھا تھا جیسے ہوٹلوں کے انتظام ہوتے ہیں۔''

''پھر بھی۔۔۔۔''

''نکاح سے پہلے ڈرنکز تھیں۔۔۔۔ کوکا کولا وغیرہ''

یکدم اس کا رنگ پھر فق ہو گیا۔ دوپہر کی دھوپ میں چمکتی سفید ریت کی طرح

''نکاح سے پہلے۔۔۔۔۔ نکاح سے پہلے۔۔۔۔ نکاح سے پہلے۔۔۔۔۔'' وہ الاپنے لگی اس وقت مجھے شبہ ہونے لگا کہ شاید سیمی اب بھی مجھ سے محبت نہ کر سکے۔

''اور۔۔۔۔۔۔ اور۔۔۔۔۔''

''چائے تھی۔۔۔۔۔ نکاح کے بعد۔۔۔۔ وہی معمول کی چیزیں، چیز فنگرز، مچھلی، پیسٹری اور ایک ٹرائفل قسم کی سویٹ تھی۔''

یکدم وہ بھڑک کر بولی۔۔۔۔ ''نکاح کے بعد کبھی ٹرائفل نہیں ہوتا۔۔۔۔ ہمیشہ نکاح سے پہلے ٹرائفل ہوتا ہے۔''

اس کی آنکھوں میں موٹے موٹے آنسو آ گئے جنہوں نے میرے اظہار محبت کو شارٹ سرکٹ کر دیا۔

''کیسی ہے؟۔۔۔۔۔'' گلابی گلاسز کے پیچھے دھنسی ہوئی آنکھیں تھیں آنکھوں میں آنسو تھے اور ان پردوں کے پیچھے کہیں سیمی کھڑی تھی۔

''کون۔۔۔۔؟۔۔۔۔''

''وہی ٹرائنفل۔۔۔۔''

''خوبصورت ہے۔۔۔۔۔جیسے کشمیری لڑکیاں ہوتی ہیں۔۔۔۔''میں نے لہجے کو خشک رنگ دے کر کہا۔

''قد۔۔۔۔۔؟۔۔۔۔''

''لمبا۔۔۔۔''

''آنکھیں۔۔۔۔۔؟۔۔۔۔''

''نیلی!۔۔۔۔۔لیکن میک اپ زیادہ تھا میں نقلی پلکوں کی وجہ سے دیکھ نہیں سکا اچھی طرح۔''

''رنگ۔۔۔۔؟۔۔۔۔''

''گورا۔۔۔۔گائے کے دہی جیسا۔''

اب آنسو اس کی گالوں پر بلا تکلف گرنے لگے۔

''اور وہ۔۔۔۔۔''

''وہ کون۔۔۔۔؟۔۔۔۔''

تھوڑی دیر کے لیے میں بھول گیا تھا کہ سیمی آفتاب سے محبت کرتی ہے۔

''دولہا؟۔۔۔۔آفتاب؟''

''ٹھیک تھا۔۔۔۔جیسے دولہا ہوتے ہیں کمخواب کی شیروانی، ملتانی کھسہ، سر پر سرحدی پٹکا۔۔۔۔سہرا۔۔۔۔ہار۔۔۔۔''

''یہ نہیں۔۔۔۔یہ نہیں۔۔۔۔بتاؤ قیوم وہ خوش تھا، خوش نظر آرہا تھا۔۔۔۔؟ اسے خوش ہونے کا کوئی حق نہیں پہنچتا۔۔۔۔مجھ سے بچھڑنے پر کم از کم اسے خوش تو نہیں ہونا چاہیئے۔۔۔۔ہے نا؟''

میں نے سیمی کو خوشنودی کے لیے کہا۔۔۔۔''نہیں بابا تم سے کس نے کہا وہ

خوش تھا۔۔۔۔۔مجھے تو وہ کچھ اداس نظر آیا۔"

اس کے خیال کے ساتھ اتنی اسانی کے ساتھ مطابقت کرنے پر وہ خالص افسروں کی طرح بگڑ گئی۔

"جھوٹ مت بولو۔۔۔۔خوچی کوئی اس کے چہرے ہر تھوڑی ہوگی۔۔۔۔وہ تو اس کے دل میں ہوگی اندر یہاں۔۔۔۔۔"

"شاید۔۔۔۔"میں نے شرمندگی کے ساتھ کہا۔

اب اس نے رول کیے ہوئے بستر ے پر سر ٹکا دیا اور دھاری دار گدی پر اس کے تمام

بال بکھر گئے۔

"مانا اس کی بڈھی بے بے مجھ سے شادی پر رضامند نہ تھی۔لیکن کیا کچھ سال اور وہ رک نہ سکتا تھا۔۔۔۔کم از کم ہم دونوں ایم اے ہی اکھٹے کر لیتے۔۔۔۔۔ساتھ ساتھ۔۔۔۔لیکن اسے شوق تھا شادی کا۔۔۔۔اسے اپنی بچپن کی منگیتر سے محبت ہے قیوم۔۔۔۔تم نہیں جانتے وہ بے حد دوغلا ہے۔۔۔۔۔اس کی دو شخصیتیں ہیں۔۔۔۔۔مٹر کے چھلکوں کی طرح۔"

اس وقت میرا جی چاہا کہ اسے وہ ساری باتیں بتاؤں جو آفتاب نے سوئمنگ پول کرانے کی تھیں۔

"تم جو وہاں گئے تھے تو کیا کھانے پینے گئے تھے؟"میں چپ رہا۔

"لڑکیاں تاڑنے؟۔"اس نے پوچھا۔

"چھوڑو یار۔"

"پھر تم اتنا بھی پتہ نہ کر سکے کہ زیبا کے متعلق اس کا Reaction کیا ہے۔"

میں نے اس جلالی افسر سے جان بچانے کی خاطر کہا۔۔۔۔"میں نے انہیں باتیں کرتے تو نہیں دیکھا لیکن غالبا آفتاب کے ماں باپ نے زبردستی یہ لڑکی اس

کے گلے باندھی ہے۔"

"چھوڑو قیوم چھوڑو۔۔۔۔تم بھی مجھے فریب دینا چاہتے ہو آفتاب کی طرح۔وہ الو کا پٹھا بھی چاہتا ہے کہ خود تو بڑے مزے کی خوشگوار شادی شدہ زندگی گزارے اور میں یہ یقے رکھوں کہ وہ دل ہی دل میں مجھ پر مرتا ہے اس لیے ساری عمر مین شادی نہ کروں؟"

امید نے پھر سر اٹھایا۔

"نہیں تمہیں شادی ضرور کرنی چاہیے بلکہ جلد از جلد۔۔۔"

"مائی فٹ۔۔۔۔شادی! میں لعنت بھیجتی ہوں شادی پر۔۔۔۔میں تو امتحان نہیں

دے سکی اس کے بغیر۔۔۔۔میں شادی کیا کروں گی؟"

میں نے آہستہ سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔سیمی کے جسم کو چھونا میرے لیے حجر اسود کو چومنے سے کم نہ تھا میرا رواں رواں رقت اور عقیدت سے بھر گیا۔دیر تک میرا ہاتھ اس کے کندھے پر پڑا رہا اس نے کوئی مزاحمت نہ کی۔شاید وہ اس بات ہی سے آگاہ نہ تھی کہ میرا ہاتھ اس کے کندھے پر لرز رہا ہے۔

"اس کے گھر میں چاہے کوئی رہے دل میں تم رہو گی سیمی۔"

سیمی نے لمبی آہ بھری اس کی ہنسلی کی ہڈی اور ابھر آئی۔

"جانے دو قیوم جانے دو۔۔۔۔دل کی پوسٹ تو میں نے پنڈی جانے سے پہلے خالی کر دی۔"

"میرا بھی یہی خیال تھا کہ پوسٹ خالی ہو چکی ہے اور یہ موقع افسر کی میز پر اپنی عرضی رکھنے کا ہے۔میں نے ہاتھ اس کے زانوں پر رکھا۔وہ پہلے کی طرح بے دھیانی بیٹھی رہی۔"

"سنو سیمی!۔۔۔۔میں۔۔۔۔میں ایک دوست کی حیثیت سے تمہیں بتا رہا

ہوں۔۔۔آفتاب اس وقت اسی فیصد خوش ہے۔۔۔بیس فیصد خوشی اسے رفتہ رفتہ مل جائے گی۔۔۔کیونکہ وہ زیادہ شدید نہیں ہے۔۔۔مسئلہ تمہارا ہے تمہیں خوش رہنے کے لیے کوئی بندوبست کرنا چاہیئے"

وہ کسی قسم کے بندوبست کے لیے تیار نہ تھی۔

"وہ اس قدر بے رحم نہیں ہوسکتا۔۔۔وہ ایسا بے وفا نہیں ہے قیوم۔۔۔ہم دونوں تو ایک دوسے کے علاوہ کسی کے ساتھ خوش رہ ہی نہیں سکتے تھے۔۔۔"

پھر یہ کیسے ہوا کہ وہ تو زیبا کو پا کر خوش ہوگیا اور میں۔۔۔اور میرے لیے خوشی ایک مسئلہ بن گئی۔۔۔کیسے؟

"تمہیں بھی اپنے لیے خوشی کی کوئی راہ تلاش کرنی ہوگی سیمی۔۔۔پیچھے رہ جانے

والوں کے لیے اور کوئی صورت نہیں ہوتی!"

وہ محبت کے ترازو میں برابر کا تلنا چاہتی تھی اور دوسری طرف کے پلڑے میں مجھے ایسے کوئی بٹہ رکھنا نہیں آتا تھا جس کی وجہ سے اس کا توان ٹھیک ہوجاتا۔اگر میں آفتاب کو خوش ظاہر کرتا تو وہ تنفر کی صورت میں بے قابو ہوجاتی اگر میں اسے اداس ظاہر کرتا تو بے یقینی نا امیدی اور شدید غم تلے دب کر آہیں بھرنے لگتی،محبت کا آرا اوپر تلے برابر اس کے تختے کاتتا چلا جارہا تھا۔

میں سوشیالوجی کے طالب علم کی طوح سوچنے لگا کہ جب انسان نے سوسائیٹی کو تشکیل دیا ہوگا تو یہ ضرورت محسوس کی ہوگی کہ فرد علیحدہ علیحدہ مطمئن زندگی بسر نہیں کر سکتے۔باہمی ہمدردی میل جول اور ضروریات نے معاشرہ کو جنم دیا ہوگا۔لیکن رفتہ رفتہ سوسائیٹی اتنی پیچ در پیچ ہوگئی کہ باہمی میل جول، ہمدردی اور ضرورت نے تہذیب کے جذباتی انتشار کا بنیادی پتھر رکھا۔جس محبت کے تصور کے بغیر معاشرے کی تشکیل ممکن نہ تھی۔شاید اسی محبت کو مبالغہ پسند انسان نے خدا ہی سمجھ لیا اور انسان

دوستی کو انسانیت کی معراج ٹھہرایا۔ پھر یہی محبت جگہ جگہ نفرت حقارت اور غصے سے زیادہ لوگوں کی زندگیاں سلب کرنے لگی۔ محبت کی خاطر قتل ہونے لگے۔۔۔۔ خود کشی وجود میں آئی۔۔۔۔ سوسائیٹی اغوا سے شنجون سے متعارف ہوئی۔ رفتہ رفتہ محبت ہی سوسائیٹی کا ایک بڑا روگ بن گئی اس جن کو ناپ کی باتل میں بند رکھنا معاشرے کے لیے ممکن نہ رہا اب محبت کے وجود یا عدم وجود پر ادب پیدا ہونے لگا۔ ۔۔۔۔ بچوں کی سائیکلوجی جنم لینے لگی۔ محبت کے حصول پر مقدمے ہونے لگے۔ ساس بن کر ماں ڈائین کا روپ دھارنے لگی۔ معاشرے میں محبت کے خمیر کی وجہ سے کئی قسم کا ناگوار Bactria پیدا ہوا۔

نفرت کا سیدھا سادا شیطانی روپ ہے۔ محبت سفید لباس میں ملبوس عمر عیار ہے ۔ ہمیشہ دو راہوں پر لا کر کھڑا کر دیتی ہے۔ اس کی راہ پر ہر جگہ راستہ دکھانے کو صلیب کا نشان گڑا ہوتا ہے۔ مجتبی جھمیلوں میں کبھی فیصلہ کن سزا نہیں ہوتی ہمیشہ عمر قید ہوتی ہے۔ جس معاشرے نے محبت کو علم بنا کر آگے قدم رکھا وہ اندر ہی اندر اس کے انتظار سے بری طرح متاثر بھی ہوتی چلی گئی۔ جائز و ناجائز محبت کے کچھ ٹریفک رولز بنائے لیکن ہائی سپیڈ معاشرے میں ایسے سپیڈ بریکر کسی کام کے نہیں ہوتے کیونکہ محبت کا خمیر ہی ایسا ہے..... زیادہ خمیر لگ جائے تو بھی سوسائٹی پھول جاتی ہے۔ کم رہ جائے تو بھی پپڑی کی طرح تڑخ جاتی ہے۔

شکست وریخت۔

بدبختی وسوختہ سامانی۔

آج تک سوسائٹی جرائم کی بیخ کنی پر اپنی تمام قوت استعمال کرتی رہی ہے۔ اس نے اندازہ نہیں لگایا کہ کتنے گھروں میں کتنے مسلکوں میں سارا نقص۔ ہی محبت سے پیدا ہوتا ہے۔ سوسائٹی کا بنیادی تضاد ہی ہے کہ ابھی تک وہ محبت کا علم اٹھائے ہوئے ہے۔ حالانکہ وہ اس کے ہاتھوں توفیق بھر تکلیف اٹھا چکی ہے۔ جب تک یہ

جن دوبارہ بوتل میں بند نہیں ہو جاتا اور اس کے ٹریفک رولز مقرر نہیں ہوتے' تب تک شانتی ممکن نہیں۔ کیونکہ محبت کا مزاج ہوا کی طرح ہے کہیں ٹکتا نہیں اور معاشرے کو کسی ٹھوس چیز کی ضرورت ہے۔

محبت میں بیک وقت توڑنے اور جوڑنے کی صلاحیت ہے۔ سوسائٹی کا رنگ اسی کی بدولت نکھرتا ہے اور اسی جذبے کی وجہ سے شدید کالک بھی منہ پر لگتی ہے میں اور سیمی اگر اب بھی ہم جماعت ہوتے تو محبت کے اس پہلو پر کئی گھنٹے بحث کرتے رہتے پھر وہ ابن خلدون' ڈرخائم' کومٹ اور مارکس کے نکتہ نظر پیش کر کے بحث کو بڑا Objective اور خوب صورت بنا دیتی ہم کسی نئی تھیوڑی کے سر پر پہنچ کر اپنے آپ کو بہت ذہین تصور کرنے پر مجبور ہو جاتے..... ایسی بحثیں جو عام طور پر ہم کیفے ٹریا میں کیا کرتے تھے۔ ہمیں ایک دوسرے

سے کس قدر دور لے جایا کرتی تھیں اور ان ہی کی وجہ سے ہم نے کتنے فاصلے طے کیے تھے۔ لیکن اس وقت وہ میری ہم جماعت نہ تھی۔ وہ مائی توبہ توبہ کی پتلی تھی۔

میرے گاؤں چندرا میں ایک پرانا بھٹہ تھا۔ اینٹیں بنانے والے یہاں سے کبھی کے جا چکے تھے۔ لیکن جا بجا ٹوٹی اینٹوں کے چٹھے' لال گیروے رنگ کی پکی مٹی اور گہری کھائیاں تھیں جن سے مٹی کھود کھود کر اینٹیں بنائی جاتی ہوں گی۔ برسات میں ان کھائیوں میں برساتی پرانی بہہ کر اکٹھا ہو جایا کرتا۔ پرانے بھٹے کے پاس مائی توبہ توبہ کی جھگی تھی۔ پتہ نہیں اس کا اصلی نام کیا تھا۔ لیکن اب سارے گاؤں میں اسے سب مائی توبہ توبہ کہتے تھے۔ سارے گاؤں میں مشہور تھا کہ وہ کالا علم جانتی ہے۔ لیکن دو ایک بار میری موجودگی میں کسی نے اس سے استفسار کیا تو وہ کانوں پر ہاتھ رکھ کر توبہ توبہ کرنے لگی۔ ایک روز میں شام گئے گھر نہ لوٹ سکا۔ باہر امرود کے باغ میں کچے پکے امرود توڑتے مجھے دیر ہو گئی۔ پتہ نہیں میرے باقی ساتھی کیا ہوئے لیکن